معاشی عدمِ توازن کے اخلاقی زندگی پر اثرات

آسیہ کریم *

اخلاق، حالات سے پیدا ہوتے ہیں، محض علوم سے نہیں۔ ''انّما الاخلاق بالاحوال لا بالعلوم'' (۱) اس بلیغ جملے میں شاہ ولی اللہ نے انسانی زندگی کی ایک اہم حقیقت کو بیان کیا ہے۔ اپنے پیش رو حکماء اور مفکرین سے وہ اس حیثیت سے ممتاز ہیں کہ اوروں نے اجتماعیت، معیشت اور اخلاق پر الگ الگ بحث تو کی لیکن اخلاق پر معاشرت، ماحول اور معیشت کے اثرات کا جائزہ نہیں لیا۔ شاہ ولی اللہ نے نہ صرف اخلاق کا تعلق معیشت کے ساتھ جوڑا، بلکہ عدل کو معاشی اور معاشرتی زندگی کی اساس قرار دیا۔ (۲)

مولانا ابو الحسن علی ندویؒ نے شاہ صاحب کے اس طرز فکر کا خلاصہ بیان فرمایا ہے۔ ''شاہ ولی اللہ نے علمائے اخلاق اور ماہرین اقتصادیات میں پہلی مرتبہ علم المعیشت کا علم الاخلاق سے گہرا ربط ثابت کیا ہے۔ شاہ صاحب کے نزدیک جب یہ ربط ٹوٹ جاتا ہے تو معاشیات اور اخلاقیات، دونوں کو شدید بحران سے واسطہ پڑتا ہے جس کا اثر مذہب و اخلاق، پرسکون زندگی، انسانوں کے باہمی روابط اور تمدن وتہذیب، سبھی پر پڑتا ہے۔ ان کے نزدیک انسانوں کے اجتماعی اخلاق اس وقت بالکل برباد ہوجاتے ہیں جب کسی جبر سے ان کو اقتصادی تنگی پر مجبور کر دیا جائے۔ اس وقت انسان، جن کے اندر اللہ نے اعلیٰ روحانی ملکات اور ترقی کے امکانات ودیعت فرمائے ہیں، گدھے اور بیل کی طرح سے روٹی حاصل کرنے کے لیے سرگرداں رہنے لگتے ہیں اور ہر طرح کی سعادتوں اور ترقیوں سے محروم ہوجاتے ہیں''۔ (۳)

شاہ ولی اللہ کی مجموعی فکر کا مطالعہ کرنے والے پر واضح ہے کہ ان کے خیال میں زندگی ایک وحدت ہے۔ حیاتِ مادی کے تقاضے، نہ نفرت کے قابل اور ناپسندیدہ ہیں، نہ ہی ان سے مفر ہے۔ معیشت کے ابواب میں وہ البدور البازغة اور حجة اللہ البالغة میں واضح کرتے ہیں کہ

> ''جب انسان اپنی حیوانی زندگی کی ضروریات سے مطمئن ہوں گے اور ان کے پاس روٹی کپڑوں کے دھندوں سے کچھ وقت فاضل بچے گا، پھر کہیں وہ اپنی اعلیٰ تر استعدادوں اور دوسرے بلند لطائف کی طرف توجہ دے سکیں گے۔'' (۴)

---

* ریسرچ سکالر پی ایچ ڈی۔ جامعہ پنجاب

معیشت کے غیر فطری عدمِ توازن کی وجوہات

انسانی معاشروں میں دیگر خصوصیات اور صلاحیتوں کے علاوہ، درجاتِ معیشت کا تفاوت بھی صورتِ واقعہ اور حقیقت کی حیثیت رکھتا ہے۔"نحن قسمنابینهم معیشتهم فی الحیوٰة الدنیا ورفعنا بعضهم فوق بعض درجٰت"(۵) قرآن نے اس کی حکمت بھی بیان کی ہے کہ انسانوں کی ضروریات اسی طرح پوری ہوسکتی ہیں اور باہمی تعاون کا مقصد بھی اسی سے حاصل ہوسکتا ہے۔"لیتّخذ بعضهم بعضا سخریا" (۶) امام قرطبی اس آیت کی تفسیر میں یہی بات بیان فرماتے ہیں۔"قال السدی وابن زید: (سخریا) خولاً وخداما، یسخر الاغنیاء الفقراء فیکون بعضهم سببا لمعاش بعض"(۷)

لیکن یہی تفاوت جب حد سے گزرنے لگے اور معاشرے کے دو طبقوں کے درمیان نا قابل عبور خلیج کی صورت اختیار کر لے تو اس صورت حال کو المیہ کہا جا سکتا ہے۔عمومی حالات میں تو یہ صورت پیدا نہیں ہوتی۔اس کی کچھ خاص وجوہات ہیں۔انہی وجوہات کے بیان کے لیے جناب شاہ ولی اللہ نے روم و ایران کی حکومتوں کو مثال بنایا ہے اور اس مثال سے یہ بات واضح کی ہے کہ معیشت کا یہ نا قابلِ علاج روگ عیش پرستی کے راستے سے معاشرے میں داخل ہوتا ہے اور بالآخر دین اور اخلاق کے لیے تباہ کن حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔

رومیوں اور ایرانیوں کی عیش پرستی

اپنی تحریروں میں ایک سے زیادہ مقام پر انہوں نے رومیوں اور ایرانیوں کی عیش پرستی کا نقشہ کھینچا ہے۔خود اپنے دور کی مغلیہ حکومت میں بھی عیاشی اور مسرفانہ زندگی کے ان رجحانات کی نشاندہی کی ہے اور ان پر کڑی تنقید بھی کی ہے۔(۸)

حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں۔

> "تاریخ شاہد ہے کہ اہل روما اور اہل ایران میں حکومت ایک طویل مدت تک رہی۔انہوں نے اپنے عہد کے حالات کے مطابق تمدن کے لوازم اور اسباب رفاہیت و تعیش میں ترقی کی۔آخرت کی یاد کو پس پشت ڈال کر اپنی دنیوی زندگی کو عیاشی کے ساتھ بسر کرنا انہوں نے اپنا نصب العین قرار دیا اور شیطان نے ان پر پورا تسلط جما لیا۔چار دانگِ عالم سے موجد اور مخترع کھچ کر وہاں چلے آئے اور لذائذِ حیات سے متعلق نئی نئی چیزیں اور طریقے دریافت کیے۔تمام علماء اور اہل ثروت عیش پرستی میں منہمک تھے اور اس بارے میں ایک

دوسرے سے سبقت لے جانے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ یہاں تک مشہور ہے کہ ان عیش پرست اور خود پسند امراء میں سے جس کا کمر بند ایک ہزار دینار سے کم قیمت ہوتا تھا، وہ بہ نظر استخفاف و استحقار دیکھا جاتا تھا۔ ہر امیر کبیر کی یہ خواہش تھی کہ اس کے پاس ایک شاندار محل ہو، اس کے پیش صحن میں باغ ہو، حمام وغیرہ کے لوازم موجود ہوں۔ اس کے دسترخوان پر الوانِ نعمت چنے جائیں اور زرق برق پوشاک میں وہ دوسروں سے بڑھ کر ہو۔ اس طریق تعیش نے، جوان لوگوں کی زندگی میں پیدا ہو گیا تھا، ایک لاعلاج بیماری پیدا کی۔ وہ یہ کہ سب لوگ ان امراء کی دیکھا دیکھی عیاشی پر مائل ہو گئے ''الناس علیٰ دین ملو کھم'' کے مصداق رعیت کے ہر طبقے میں یہ مرض پھیل گیا اور اس نے وبائے عام کی صورت اختیار کر لی۔''(۹)

ظالمانہ محصولات

آگے چل کر شاہ صاحب نے واضح کیا ہے کہ تعیش پرستی میں تنافس اور تکاثر کی جو ایک دوڑ لگ گئی تو بڑی سے بڑی آمدنی اس ''رفاہیتِ بالغہ'' (۱۰) اور حریصانہ مقابلے کی کیفیت میں ناکافی لگنے لگی۔ نتیجے کے طور پر حکمران طبقے سر جوڑ کر بیٹھے اور صناعوں، تاجروں اور کسانوں پر ٹیکس بڑھانے کی نئی نئی راہیں نکالی گئیں۔ ان ٹیکسوں کی غیر عادلانہ، بلکہ ظالمانہ شرح نے ملک کے دیگر طبقوں کی کمر توڑ کر رکھ دی۔

فقیرِ شہر کے تن پر لباس باقی ہے
امیرِ شہر کے ارمان ابھی کہاں نکلے

حجۃ اللہ البالغہ میں ہی لکھتے ہیں۔

''چونکہ عیاشانہ زندگی بسر کرنے کے لیے جس ساز و سامان کی ضرورت تھی، اس کا حاصل ہونا دولتِ کثیر خرچ کیے بغیر ممکن نہ تھا اس لیے ان ملوک و سلاطین نے اپنی رعایا پر، اور تجار اور امراء نے اپنی اپنی اسامیوں پر بھاری ٹیکس لگا دیے۔ اب غریبوں کے لیے دو راہیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ وہ علمِ بغاوت بلند کریں اور تلوار ہاتھ میں لے لیں۔ یہ (حوصلہ) ان بے سروسامان لوگوں کے امکان سے باہر تھا۔ دوسرا راستہ یہ تھا کہ وہ اطاعت و انقیاد سے سرتابی نہ کریں اور چوپایوں اور گدھوں کی سی زندگی بسر کریں جن سے ان کی مرضی کے بغیر ہل چلانے اور کنویں سے پانی نکالنے کا کام لیا جاتا ہے۔ نچلے طبقے کے یہ لوگ اپنے عمال اور آقاؤں کی خدمت میں اتنے مشغول ہوتے تھے کہ سعادتِ اخرویہ کی طرف متوجہ ہونے کی انہیں فرصت ہی نہیں ملتی تھی۔''(۱۱)

معاشی بگاڑ کی اصلاح: مقصدِ نبوت

معیشت کا ایسا ظالمانہ اور غیر فطری عدمِ توازن جو اخلاق کی تباہی پر منتج ہو، شاہ ولی اللہ کے خیال میں اتنا بڑا معاملہ تھا، کہ اس کی اصلاح کو انہوں نے مقاصد نبوت میں سے قرار دیا۔(۱۲)

شاہ صاحب کی اس فکر کی تشریح مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے الفاظ میں ملاحظہ ہو۔

''شاہ ولی اللہ نے واضح کیا ہے کہ انسانیت کے اجتماعی اخلاق اس وقت بالکل برباد ہو جاتے ہیں جب کسی جبر سے ان کو اقتصادی تنگی پر مجبور کیا جائے اور وہ حیوانوں کی طرح روٹی کے لیے کام کریں جب کبھی انسانیت پر ایسی مصیبت آتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے نجات دینے کے لیے کوئی نہ کوئی سبیل نکالتا ہے اور اپنے بندے کو اس کا الہام کرتا ہے۔ قیصر و کسریٰ کی تباہی اسی اصول پر نبوت کے لوازم میں شمار ہوتی ہے۔''(۱۳)

تفہیماتِ الٰہیہ میں شاہ ولی اللہ نے انبیاء کرام کے مختلف زمانوں کے حالات کا جائزہ لیا ہے اور ان کی اصلاح کے لیے حضرات انبیاء کرام نے جو پروگرام پیش کیا، اس کے اہم نکات بیان فرمائے ہیں۔ اسی سلسلے میں وہ، جناب نبی کریم محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نبوت اور دعوت کے مقاصد میں نظامِ معیشت کے بگاڑ کی اصلاح کو خاص طور پر ایک اہم نکتہ قرار دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

''چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں انسانیت توحید کو بھول چکی تھی، اس لیے اس شر سے اس دنیا کو پاک کرنے کے لیے حق اس شکل میں نازل ہوا کہ توحید کی اشاعت کی جائے اور طہارت، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور ذکرِ الٰہی کی عبادات پیدا کی جائیں۔ اس کے بعد ہمارے نبی کریمؐ کی بعثت سے پہلے چونکہ ملتوں (طریق زندگی) میں خلل پڑ گیا تھا۔ خصوصیت سے انسان کی معاشی اور تمدنی زندگی میں بدنظمی اور بے انصافی پیدا ہو گئی تھی، اور یہ خرابی پہلی خرابی سے بھی زیادہ برے نتائج پیدا کرنے والی تھی اور اس کی خرابی بہت دور تک پہنچ گئی تھی۔ اس لیے اب عبادات کی اشاعت اور ان کے اوقات معین کرنے کے ساتھ جہاد کا بھی حکم ہوا اور حکمتِ الٰہی نے فیصلہ کیا کہ رومی اور ایرانی حکومتی نظاموں کو برباد کر دیا جائے اور نظامِ نبوی کو بین الاقوامی پیمانے پر منظّم کیا جائے۔''(۱۴)

سلطنتِ قیصر وکسریٰ کا زوال اور تباہی

حجۃ اللہ البالغہ میں ''دین کی ضرورت اور اہمیت'' کی بحث میں بھی شاہ ولی اللہ نے بارِ دیگر یہ وضاحت کی ہے کہ عہدِ رسالت کی دنیا میں متمدّن اور مہذب سلطنتیں یہی دو تھیں۔ یعنی قیصر کی رومی سلطنت، جس کی قلمرو شام و فلسطین اور روم کے شہروں پر حاوی تھی۔ مصر، مغرب اقصیٰ اور شمالی افریقہ قیصر کے باج گزار تھے۔ دوسری حکومت آلِ ساسان کی ایرانی حکومت تھی جس کا سربراہ کسریٰ کہلاتا تھا۔ ایران، عراق، یمن اور خراسان پر ان کا قبضہ تھا اور ماوراء النہر اور ہندوستان تک کی ریاستیں اس کے زیرِ اثر اور باج گزار تھیں۔

ان دونوں سلطنتوں پر قبضہ کرنا، اس وقت کے اعتبار سے روئے زمین پر تسلّط حاصل کرنے کے مترادف تھا اور ان دونوں کے تمدن اور معاشرت کی اصلاح گویا ان کے زیرِ اثر ممالک کی اصلاح تھی'' (۱۵) اور اس مترفانہ اور مسرفانہ طرزِ زندگی اور ان رسومِ فاسدہ سے، جو انسانیت کی اکثریت کے لیے وبالِ جان بن چکی تھیں، خلاصی کی صورت اس کے سوا کوئی نہ تھی کہ ایک بڑا عملِ جرّاحی کیا جائے اور اس ناسور کو کاٹ پھینکا جائے۔ اس کے لیے طریق کار جو اختیار کیا گیا۔ شاہ صاحب کے اپنے الفاظ میں ملاحظہ ہو۔

''جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ادیان کی کجیوں کو درست کر دے اور ایک ایسی جماعت لوگوں کی ہدایت کے لیے ظہور میں لائے جس کا خصوصی شعار امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہو۔ اور وہ ان (ادیان کی) کجیوں اور رسومِ فاسدہ کی اصلاح عمل میں لائے، تو اس کے لیے ضروری تھا کہ ان دونوں سلطنتوں پر زوال آئے اور ان ممالک میں اسلام کا پرچم لہرانے لگے۔ دنیا کی دوسری اقوام کی اصلاح بھی اسی پر موقوف تھی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان دُوَلِ مذکورہ کے زوال کا حکم صادر فرمایا تاکہ دینِ حق کا بول بالا ہو۔ نبی محترمؐ نے اس عظیم الشان واقعہ کی خبر بطور پیشین گوئی، ان الفاظ میں دی۔ '''' قیصر ہلاک ہو گیا اور اس کے بعد کوئی قیصر نہیں ہوگا اور کسریٰ بھی ہلاک ہو گیا اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہوگا۔'' چنانچہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم مبعوث ہوئے، دینِ حق نازل ہوا اور اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے عربوں کی اصلاح کی اور پھر ان عربوں کے ذریعے ان دونوں متمدن سلطنتوں کا خاتمہ کیا۔ اسی میں اصلاحِ عالم کا راز مضمر تھا۔'' (۱۶)

معاشی ناہمواری کا مستقل خاتمہ

شاہ ولی اللہ کے خیال میں نہ صرف معاشی استحصال پر مبنی اس نظامِ سلطنت کا خاتمہ مقصودِ نبوت تھا۔ بلکہ آئندہ

کے لیے (اور ہمیشہ کے لئے) اس مسرفانہ اور ظالمانہ طرزِ زندگی کے رجحانات کی بھی مذمت کی گئی۔ ان پر پابندی لگائی گئی تاکہ پھر یہ فتنہ سر نہ اٹھا سکے جس میں عامۃ الناس کی نہ صرف دنیا، بلکہ آخرت کی بھی ہلاکت اور بربادی مضمر ہے۔ فرماتے ہیں

''جب اللہ تعالیٰ کی رحمت نے یہ تقاضا کیا کہ (روم وایران کی سلطنتوں کے) اس مرض کے مادۂ تولید کا قلع قمع کیا جائے چنانچہ اس نے نبی امی ؐ کو مبعوث فرمایا جو اس قسم کے تمدن اور معاشرت سے ناآشنائے محض تھا۔ اس کی زندگی اور طریقِ حیات کو ہدیِ صالح کا معیار قرار دیا۔ جس نے اپنی زندگی نبی مذکور کے پیش کردہ معیار کے مطابق بسر کی، اس کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی کی سند حاصل ہوئی اور جس نے اس کے طریقے کی خلاف ورزی کی، وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا مستحق قرار پایا۔ نبی کریمؐ نے عجمی عیاشانہ زندگی کی مذمت فرمائی۔ دنیوی اشغال میں انہماک پیدا کرنے کی قباحت بیان کی، اپنی امت کو ان عادات سے پرہیز کرنے کا حکم دیا جو اس عجمی زندگی کا جزوِ لازم اور ان کے لیے مایہ فخر و ناز تھے۔ مثلاً ارغوانی رنگ کی بھڑکیلی پوشاکیں پہننا، ریشمی کپڑے استعمال کرنا، سونے چاندی کے برتن استعمال میں لانا، مردوں کا عورتوں کی طرح اپنے آپ کو زیورات سے آراستہ کرنا، شاندار عمارات بنوانا اور پھر ان کی آرائش کے لیے رنگین پردے اور تصویریں لٹکانا وغیرہ۔'' (۱۷)

معاشی توسّط اور اعتدال

شاہ ولی اللہ مترفین ومسرفین اور فقراء، دونوں طبقوں کے بارے میں دلائل کے ساتھ یہ رائے رکھتے ہیں کہ یہ امورِ سعادت اور معاد کے بارے میں غور و فکر کی صلاحیت سے عاری ہو جاتے ہیں اور اخلاقِ عالیہ پر سے ان کی توجہ بالکل ہٹ جاتی ہے۔ پسندیدہ طرزِ زندگی، ان کے نزدیک یہ ہے کہ انسان مناسب حد تک اپنی ضروریات پوری کرتا ہو۔ مال و دولت سے تنفر پسندیدہ نہیں کہ یہ ایک نعمت اور ضروریاتِ زندگی کے حصول کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ لیکن انسان کے لیے یہ بھی لازم ہے کہ وہ کچھ وقت فرصت کا نکالے اور سعادتِ اخروی کے حصول پر توجہ کرے۔ (۱۸) یہ مقصد ان کے خیال میں اس وقت حاصل ہو سکتا ہے جب کسی کی معیشت، تنعم پسندی اور فقر و مسکنت دونوں کے درمیان اعتدال اور توازن پر مبنی ہو۔

حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں۔

''تنعّم پسندی کے نظریے کی تنقیح کریں تو دو دلائل سامنے آتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ نظامِ معیشت میں دولت و

ثروت ایک محمود شے ہے۔ اس لیے کہ اگر وہ صحیح اصول پر قائم ہے تو اس کی بدولت انسان کا دماغی توازن اعتدال پر رہتا ہے۔ اس سے اس کے اخلاقِ کریمانہ صحیح و درست رہتے ہیں۔ نیز انسان اس قابل بنتا ہے کہ دوسرے حیوانات سے ممتاز ہو، اس لیے کہ بے کسانہ اور مجبورانہ افلاس، سوء تدبیر اور مزاج کے اختلال کا باعث بنتا ہے۔ دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ دولت وثروت ایک بدترین چیز ہے۔ وہ باہمی مناقشات اور بغض وحسد کا باعث بنتی ہے اہل ثروت کے اطمینان قلب کو حریصانہ کدوکاوش کے زہر سے مسموم کرتی ہے۔ قوموں کو استحصال بالجبر اور دوسروں پر معاشی دست برد پر آمادہ کرتی ہے اور اس صورت میں یہ بداخلاقی کے مرض میں مبتلا کر دیتی ہے۔ آخرت، یاد الٰہی اور روحانی زندگی سے یکسر بے پروا اور غافل بنا دیتی ہے۔ مظلوموں پر نت نئے مظالم کا راستہ کھول دیتی ہے لہذا پسندیدہ رائے یہ ہے کہ دولت وثروت نظامِ معیشت میں ایسا درجہ رکھتی ہو کہ توسط اور اعتدال پر قائم اور افراط و تفریط سے پاک رہے۔" (۱۹)

شاہ ولی اللہ کے اس توسط اور اعتدال کے رجحان پر تبصرہ کرتے ہوئے شمس الرحمٰن محسنی لکھتے ہیں

"شاہ صاحب اپنے تمام تر مابعد الطبعیاتی رجحان اور تصوف و ریاضت سے دل بستگی کے باوجود انسان کی معاشی ضرورتوں کو اپنے عمرانی فلسفے میں غیر معمولی اہمیت دیتے ہیں اور اس امر کی صراحت کرتے ہیں کہ انسان کی اخلاقی زندگی کا دارومدار بہت حد تک اس کی اقتصادی زندگی کے حسنِ انتظام پر ہے۔

شاہ صاحب کے اس رجحانِ فکر کی تہہ میں زندگی کے بارے میں ان کا جامع، ہمہ گیر اور عالمگیر تصور کارفرما ہے۔ وہ کثرت میں وحدت کے قائل ہیں اور ساری موجودات کی اصل ایک ہی مانتے ہیں، اس لیے ان کے خیال میں ہر شے دوسری شے سے متعلق ہے اور ایک کا اثر دوسری پر پڑتا ہے۔ مادہ اور روح ان کے نزدیک ایک ہی حقیقت کے دورخ ہیں۔ ایک قدرے کثیف اور دوسرا لطیف تر۔ لیکن ان کے خیال میں لطافت، بے کثافت جلوہ پیدا نہیں کرسکتی۔ اس لیے اگر اخلاق سدھارنا ہے تو اقتصادی زندگی کو ٹھیک کیجئے اور اگر اقتصادی زندگی کو بہتر بنانا ہے تو انسانی اخلاق کو درست کیجئے۔ دونوں چیزیں ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔ ایک کو چھوڑ کر محض دوسری کے پیچھے پڑ جانا سراسر نادانی ہے"۔ (۲۰)

ابوابِ معیشت میں، ابوابِ زکوٰۃ میں، ارتفاقات (معاشرتی علوم) کی بحث میں، ہر جگہ شاہ ولی اللہ بار بار اس نکتے کو اٹھاتے ہیں کہ انسانوں کے اجتماعی معاملات عدل پر قائم ہونے چاہییں۔ انہوں نے اس عادلانہ نظام کے خدوخال کی بھی جگہ جگہ وضاحت کی ہے۔ ان کا خیال یہ ہے کہ کچھ لوگ غیر معمولی وسائل پر قبضے کے ساتھ اگر اسراف وتبذیر میں مبتلا ہو جائیں تو یہ بھی معیشت کی ایک بیماری ہے۔ اس بیماری کو انہوں نے "رفاہیتِ بالغہ" (۲۱) کا نام دیا ہے۔ (مولانا مناظر احسن گیلانی اسے دولت کے ورم سے تعبیر کرتے ہیں۔ (۲۲)) بخل،

حرص، اکتناز و ارتکاز اور قساوتِ نفس جیسی اخلاقی برائیاں اسی کا نتیجہ ہیں۔ یہ بھی صفات سود، سٹے اور قمار بازی سے اور بھی ترقی پاتی ہیں۔ (۲۳) دولت کا وہ ہولناک ارتکاز سود ہی کا نتیجہ ہے جو معاشرے کو شاہ ولی اللہ کے بقول دو حصوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ یعنی ''ایک طرف وہ چند سود خور، جن کے قبضے میں ملک کی نوے پچانوے فیصد دولت ہوتی ہے، دوسری طرف وہ کروڑوں افراد، جن کو نانِ شبینہ کے لیے ترسنا پڑتا ہے۔'' (۲۴) یہی وجہ ہے کہ سارے انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں سود کو حرام کیا گیا ہے۔ (۲۵) سود اور جوئے کا محرک مال کی بڑھتی چڑھتی ہوئی محبت ہے۔ زکوٰۃ، صدقاتِ واجبہ و نافلہ اور کفارات وغیرہ اور انفاق فی سبیل اللہ کا حکم تکاثر اور تنافس کی بیماری کی اصلاح اور علاج کے لیے مشروع کیے گئے ہیں۔ (۲۶)

شاہ صاحب نے خیال میں حکومتیں بھی اس بات کے لیے پابند ہیں کہ وہ معاشرتی اور معاشی عدل قائم کریں۔ کسبِ دولت کے حلال ذرائع لوگوں کے لیے آسان کریں اور نامناسب مکاسب سے انہیں روکیں۔ (۲۷) حکومت کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ امن و امان کو یقینی بنائے، نامناسب اور ناروا محصولات سے گریز کرے تاکہ صنعت، تجارت اور زراعت کو ترقی ہو'۔ (۲۸) تکافلِ اجتماعی کا ایسا نظام قائم کرے کہ گرتے ہوؤں کو سہارا دیا جا سکے۔ مناسب خوش حالی صرف انہی طریقوں سے پیدا ہو سکتی ہے جو شریعت نے اصولی معاملات میں طے کر دیے ہیں۔ اسی میں تہذیبِ نفس اور اجتماعی فلاح و بہبود، دونوں کا راز پوشیدہ ہے۔ (۲۹)

غربت اور فقر کے اخلاق پر اثرات

غربت اور فقر کے جن نقصانات پر شاہ صاحب نے توجہ دلائی ہے وہ قابلِ غور ہیں۔ ان کے خیال میں انسان فقر کے آخری درجوں پر جا پہنچے (ہمارے آج کے دور کی اصطلاح کے مطابق ''خطِ غربت'' سے بھی نیچے چلا جائے) تو نہ اس کے اخلاق کریمانہ رہ سکتے ہیں اور نہ مزاج کا اعتدال باقی رہ سکتا ہے۔

تیرے فراق میں، جیسے خیال مفلس کا
گئی ہے فکر پریشاں کہاں کہاں میری

مناظر احسن گیلانی صاحب کے بقول ''فقر اور تنگ دستی کے بعض مدارج ایسے ہولناک، جاں گسل اور روح فرسا ہوتے ہیں کہ اس وقت کسی قسم کی کوئی نصیحت لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی۔'' (۳۰) اپنی کتاب ''اسلامی معاشیات'' میں وہ اس نکتے کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ''وہ شخص، جس کا عمومی حال یہ ہے کہ سر چھپاتا ہے تو پاؤں کھلتے ہیں اور ایک جگہ کو سیتا ہے تو دوسری ادھڑ جاتی ہے، جس کی معاشی زندگی اس ادھیڑ بن کا

شکار ہے، ظاہر ہے ایسے پراگندہ روزی۔ پراگندہ دل سے اور کس بات کی توقع کی جاسکتی ہے۔ اسی غربت اور فلاکت کا ذکر کرتے ہوئے ایک دل جلے انگریز نے لکھا تھا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ غربت کی کشمکش سے دل کی صفائی ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی کشمکش سے ان لوگوں کو واسطہ نہیں پڑا۔ ورنہ تمام کشمکشیں، جن میں آدمی کو پھنسایا جاسکتا ہے، یہ غربت وافلاس سب سے زیادہ ذلیل کرنے والی کشمکش ہے۔ اور گومحدثین کے اصول پر ان مشہور اقوال کا آثارِ نبوت سے ہونا مشتبہ ہے، لیکن بہر حال مسلمانوں میں مشہور رہے اور اسلامی بزرگوں نے اپنی کتابوں اور گفتگوؤں میں انہیں عموماً استعمال کیا ہے۔ مثلاً کا دالفقران یکون کفرا قریب ہے کہ ناداری اور محتاجی کفر بن جائے اور الفقرسوادالوجہ فی الدارین یعنی محتاجی اور ناداری دونوں جہان کی روسیاہی ہے۔'' (۳۱)

نبی کریمؐ سے صحیح اسناد سے جو دعائیں منقول ہیں ان میں بھی فقر سے پناہ مانگی گئی ہے۔ مثلاً ایک دعا کے الفاظ ہیں۔

''اللھم انی اعوذبک من شر فتنة الغنا و من شر فتنة الفقر. (۳۲)''

فقر کے فتنہ کی تشریح کرتے ہوئے مولانا منظور نعمانیؒ لکھتے ہیں۔

''فقر کے ساتھ اگر صبر وقناعت نصیب ہو تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے خود اپنے لیے اور اپنے گھر والوں کے لیے فقر ہی کی زندگی پسند فرمائی اور فقر اور اہلِ فقر کے بڑے فضائل بیان فرمائے۔ لیکن اگر بدقسمتی سے فقر ومحتاجی کے ساتھ صبر وقناعت نہ ہو اور اس کی وجہ سے آدمی ناکردنی کرنے لگے تو وہ خدا کا ایک عذاب ہے۔'' (۳۳)

شدتِ احتیاج میں مبتلا شخص سے کچھ بھی بعید نہیں کہ کر گزرے۔ شاہ ولی اللہ البدور البازغة میں جہاں امیرِ شہر کی ذمہ داریوں اور فرائض پر گفتگو کرتے ہیں، وہیں بنیادی ضروریات سے بھی عاجز رہ جانے والے حاجت مندوں کے لیے کچھ رقم مخصوص رکھنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ اس کے مقاصد اور فوائد بھی واضح کرتے ہیں۔

''اس طریق کار میں معاشرے اور آبادی کی پر امن زندگی کے لیے بے شمار فائدے مضمر ہیں۔ اگر ایسے لوگوں کے لیے فقر وافلاس کے ازالے یا خورد ونوش اور سر چھپانے کی ضروریات کا اہتمام نہ ہو تو وہ شدتِ احتیاج سے تنگ آجائیں گے اور تخریبی کاموں میں بڑے اور غیر اخلاقی حرکتوں کے ارتکاب سے کبھی گریز نہیں کریں گے۔'' (۳۴)

عدلِ اجتماعی اور حفظِ اخلاق

جناب ایم ایم شریف نے اپنی مشہور کتاب History of Muslim Philosophy میں شاہ ولی اللہ کی فکر کے اس پہلو کو خاص طور پر نمایاں کیا ہے کہ وہ عدلِ اجتماعی کے داعی ہیں اور معیشت، معاشرت اور اخلاق کو ایک دوسرے سے جوڑتے ہیں۔ دیگر وجوہات کے علاوہ، یہ شاہ ولی اللہ کے اپنے دور کے برصغیر کا سلگتا ہوا مسئلہ تھا اور اخلاقی زوال کی ایک اہم وجہ یہ بھی تھی کہ شاہانِ مغلیہ کی ڈوبتی ہوئی سلطنت کے اعیان و امراء عیاشی اور رفاہیتِ بالغہ کے مظاہروں میں روم و ایران کے امراء سے پیچھے نہ تھے۔ دوسری طرف یہاں بھی زندگی عوام کے لیے بارِ دوش ہوئی جا رہی تھی۔ چنانچہ اخلاق کو گھن کھا رہا تھا اور سلطنت کے ساتھ ساتھ معاشرہ بھی مائل بہ زوال تھا۔ ایسے میں عدلِ اجتماعی کا یہ درس ولی اللّٰھی اپنے دور کے اعتبار سے بھی ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ ایم ایم شریف لکھتے ہیں۔

"Shah Waliullah made quite a serious attempt to find out the relationship between social, ethical and economic systems. How is ideal of social justice can be formulated and realized, is a question which Shah Waliullah has taken up in great detail in his famous work Hujjatulah Al Balighah Adalah (العدالة)justice or balanc according to him, is the assential feature for the harmonious development of the human race. Its manifestations may be numerous, but it is the on golden thread which runs into the web and woof of the variegated patterns of human life. When it expresses itself in dress, manners and mo res, it goes by the name of Adab(etiquette). In matter s relating to income and expenditure, we call it economy, and in the affairs of the state, it is named politics.

Shah Waliullah believes that a sound economic system based on social justice can contribute to the happiness of society. If and when a state fails to develop or retain such a system it's decline becomes inevitable. (۳۵)

عدلِ اجتماعی کی بحث ہی میں جناب شریف نے ایک اور دلچسپ معاملے کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ روم و ایران کی سلطنتوں کی تباہی کی جن وجوہات کی شاہ ولی اللہ نے نشاندہی کی ہے، یعنی امراء کا تعیش اور حد سے بڑھتی ہوئی تنعم پسندی، ایک طرف بے محابا دولت و ثروت اور دوسری طرف حد سے گزرا ہوا فقر و افلاس اور اس کے نتیجے میں ظاہر ہونے والا اخلاقی زوال جو پورے معاشرے کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ ایسی ہی وجوہات، کم و

بیش، ایڈورڈ گبن نے بھی اپنی مشہور تصنیف "The Decline and Fall of the Roman Empire" میں زوالِ سلطنتِ روما کے ضمن میں بیان کی ہیں۔ لکھتے ہیں۔

"It is interesting to note that this brilliant analysis of the Roman as of the Persian society given by Shah Waliullah (1703-1763) is substantially the same as given by Edward Gibbon (1737-1794) about thirty years later. In his monumental work. The decline and fall of the Roman Empire" Gibbon writes, "under the Roman empire, the labour of an industrious and ingenious people was variously, but incessantly employed, in the service of the rich. In their dress, their table, their houses, and their furniture, the favorites of fortune united every refinement of convenien y, of elegance and of splendour whatever could soothe their pride or gratuity their sensuality - such refinements, under the odious name of luxury, have been severely arraigned by the moralists of every age; and it might perhaps more conducive to the virtue, as well as happiness of mankind, if all possessed the necessities, and none of the superfluities of life. " (۳۶)

انسان کی مادی اور معاشی ضروریات کے ''محرّک عمل'' ہونے کی بحث میں شاہ ولی اللہ کے مختصراً بیان کردہ افکار کا ماحصل یہ ہے کہ انسان کو ذہنی سکون اسی وقت میسر آسکتا ہے جب اس کی بنیادی ضروریات، یعنی خوارک، لباس، مسکن وغیرہ اس کو میسر ہوں۔ مذہب اور اخلاق کی تلاش اس کے بعد شروع ہوتی ہے۔ مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی کے بقول ''اس کی حقیقی علت یہ ہے کہ جب تک انسان، انسانیت کے اس اولین مرتبے (حیوانی تقاضے) یاد رجے کو طے نہیں کرتا، اس وقت تک وہ دوسرے حیوانوں سے ممتاز ہو کر انسانیت کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔ ظاہر ہے، شریعت اور اخلاق کی ذمہ داری انسانوں پر عائد ہوتی ہے، حیوانوں پر نہیں۔'' (۳۷)

☆☆☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ البدور البازغة:ص۵۰

۲۔ شاہ ولی اللہ کا فلسفہ عمرانیات ومعاشیات ص:۱۶۴، ۱۶۵/ مسلمانوں کے سیاسی افکار ص:۲۴۳

۳۔ تاریخ دعوت وعزیمت:۵/۲۲۶

۴۔ شاہ ولی اللہ اوران کا فلسفہ ص:۲۰۸

۵۔ الزخرف ۴۳:۳۲

۶۔ الزخرف ۴۳:۳۲

۷۔ تفسیر القرطبی الجامع لاحکام القرآن:۱۶/ ۷۳

۸۔ تفہیماتِ الٰہیہ:۲۱۶، حجۃ اللہ البالغہ:۱/ ۵۲۴

۹۔ حجۃ اللہ البالغہ:۱/ ۵۲۰

۱۰۔ حجۃ اللہ البالغہ:۱/ ۵۳۸

۱۱۔ حجۃ اللہ البالغہ:۱/۵۲۱

۱۲۔ حجۃ اللہ البالغہ:۲/ ۵۲۷،۲/ ۲/۴۷۲ازالۃ الخفاء ۱/ ۱۹۴،۲/ ۳۸۷

۱۳۔ شاہ ولی اللہ کا فلسفہ ص:۲۰۹

۱۴۔ تفہیماتِ الٰہیہ:۱/ ۶۰،۶۱

۱۵۔ ازالۃ الخفاء:۱/ ۱۷۴

۱۶۔ حجۃ اللہ البالغہ:۱/ ۵۶۹،۵۷۰

۱۷۔ حجۃ اللہ البالغہ:۱/۵۲۶، ۵۲۷

۱۸۔ تفہیماتِ الٰہیہ:۱/ ۲۱۷

۱۹۔ حجۃ اللہ البالغہ:۱/ ۵۲۰، ۵۲۱،البدور البازغة:۱۱۸،۱۱۹

۲۰۔ شاہ ولی اللہ کے عمرانی نظریے۔ص۲۲،۲۳

۲۱۔ البدور البازغة ص: ۲۱۵، حجۃ اللہ البالغہ:۱/ ۵۲۴

۲۲۔ اسلامی معاشیات ص:۳۳۳

۲۳۔ حجۃ اللہ البالغہ:۲/ ۳۷۴

۲۴۔ حرمتِ ربا اور غیر سودی مالیاتی نظام ص:۲۴

۲۵۔ حرمتِ سود ص:۱۱۴

۲۶۔ حجۃ اللہ البالغہ:۱/ ۲،۵۲۳/ ۲۶۳

۲۷۔ حجۃ اللہ البالغہ:۲/ ۴۷۰

۲۸۔ حجۃ اللہ البالغہ:۲/ ۲۶۴

۲۹۔ حجۃ اللہ البالغہ:۲/۲۶۱

۳۰۔ اسلامی معاشیات ص:۱۸۳

۳۱۔ اسلامی معاشیات ص:۱۸۲

۳۲۔ صحیح بخاری کتاب الدعوات باب الاستعاذة من فتنة الغنا:۶۳۷۶ص۵۳۶

۳۳۔ معارف الحدیث:۵/ ۲۹۸

۳۴۔ البدور البازغة:۱۹۷،۱۹۸

۳۵۔ History of Mulish Philosophy : 1560,1561

۳۶۔ History of Mulish Philosophy : 1568

۳۷۔ سماجی انصاف اور اجتماعیت ص:۱۳

مصادر ومراجع

۱۔ قرآن کریم

۲۔ الكتب الستة (مجموعہ صحاح ستہ)۔ دار السلام للنشر والتوزيع رياض ۱۹۹۹ء

۳۔ الجامع لاحکام القرآن۔ ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی دار الکتاب العربی۔ بیروت ۲۰۰۳ء۔

۴۔ البدور البازغۃ۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مطبع حیدری۔ لاجبت روڈ۔ حیدر آباد ۱۹۷۰ء

۵۔ تفهيمات الهيه۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ ال مجلس العلمی۔ ڈابھیل ۱۹۳۶ء

۶۔ حجۃ اللہ البالغہ (اول ودوم) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ (مترجم، مولانا عبدالرحیم)
قومی کتب خانہ۔ لاہور ۱۹۸۳ء

۷۔ ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ مترجم مولانا اشتیاق احمد
قدیمی کتب خانہ کراچی۔ س، ن

۸۔ شاہ ولی اللہ کا نظریہ عمرانیات ومعاشیات۔ شیخ بشیر احمد۔ مکی دار الکتب۔ لاہور ۱۹۹۴ء

۹۔ مسلمانوں کے سیاسی افکار۔ پروفیسر رشید احمد۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۹۵ء

۱۰۔ تاریخِ دعوت وعزیمت۔ (حصہ پنجم) سید ابوالحسن علی ندوی۔ مجلس نشریات اسلام کراچی۔ س، ن

۱۱۔ شاہ ولی اللہ ان کا فلسفہ۔ مولانا عبیداللہ سندھی۔ المحمود اکیڈمی۔ لاہور۔ س، ن

۱۲۔ حرمتِ سود۔ مولانا گوہر رحمٰن۔ ادارہ معارف اسلامی۔ لاہور ۱۹۹۳ء

۱۳۔ اسلامی معاشیات۔ سید مناظر احسن گیلانی۔ دار الاشاعت۔ کراچی۔ س، ن

۱۴۔ معارف الحدیث۔ مولانا محمد منظور نعمانی۔ دار الشاعت۔ کراچی۔ س، ن

۱۵۔ سماجی انصاف اور اجتماعیت۔ مولانا غلام مصطفٰے قاسمی، طیب پبلیشرز۔ اردو بازار لاہور ۲۰۰۱ء

۱۶۔ حرمتِ ربا اور غیر سودی مالیاتی نظام۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی۔ انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز۔ اسلام آباد ۱۹۹۳ء

۱۷۔ شاہ ولی اللہ کے عمرانی نظریے۔ شمس الرحمٰن محسنی۔ سندھ ساگر اکیڈمی۔ لاہور ۱۹۶۸ء

۱۸۔ History of Mulish Philosophy - M.M. Sharif. Royal Book Company - Karachi 1983.